ڈاکٹر خالد ندیم

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

اُردو میں منظوم پہیلی کی روایت

Abstract:

The tradition of the Poetic Puzzle (منظوم پہیلی)began with Amir Khusrau, the oldest Urdu poet. This genre has been popular on the social level for brainstorming, but no literary example found by any poet of southern or northern India until the eighteenth century, when Muhammad Rafi Sauda created some Poetic Puzzles. After that, InshaUllah Khan Insha, Rangeen, Zafar, Momin, Muhammad Hussain Azad, Munir Shikohabadi, TajammulRasool Khan and Sufi Tabassum contributed to this genre. But the cultural revolutions have eliminated many other ideologies, the Poetic Puzzle has also become a story of the history. This article attempts to determine the cultural value of this genre by examining its tradition.

Keywords:

Puzzle, Poetic Genre, Urdu, Classical, Poets

"پہیلی" ہماری تہذیب کی ایک نہایت مفید صنفِ سخن رہی ہے۔اس کے ذریعے بچوں کی ذہنی تربیت ہوتی تھی اورانھیں لفظ اوراشیا کے مابین تعلق کو سمجھنے میں مدد ملتی تھی۔لفظوں کے درمیان سے جواب تلاش کرنے سے بچوں کے ذہن بیدار ہوتے اور دماغی مشقوں سے ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو جلا ملتی تھی۔اس سلسلے میں عوامی ادب کے ساتھ ساتھ امیر خسرو سے لے کر شان الحق حقی تک متعدد معروف شعرا کی تخلیقات تاریخِ ادبِ اردو کا حصہ ہیں۔

پہیلی کو عربی میں "لُغز" کہا جاتا ہے، جس کے معنی مصباح اللغات میں، "جنگلی چوہے کا سوراخ کو پیچدار کھودنا"، "کلامِ سربستہ کہنا"، "پیچدار بات کہنا" یا "پہیلی جیسی گفتگو کرنا" بتائے گئے ہیں۔(۱) فارسی میں اس کے لیے چیستاں (چیست+آں) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔لبیبی کا یہ شعر دیکھیے:

اگر ایں چیستاں تو بگشائی — گوے دانش ز موبداں ببری (۲)

اقبال نے پیامِ مشرق میں اپنے مخصوص انداز میں ایک پہیلی تحریر کی ہے، جو پیش کی جاتی ہے:

آں سخت کوش چیست کہ گیرد ز سنگ آب   محتاجِ خضر مثلِ سکندر نمی شود
مثلِ نگاہ دیدۂ نمناک پاک رو   در جوے آب و دامنِ اُو تر نمی شود
مضمونِ اُو بہ مصرعِ برجستۂ تمام   منّت پذیرِ مصرعِ دیگر نمی شود (۳)

[وہ سخت کوش چیز کون سی ہے، جو (خود) پتھر سے آب (وتاب) حاصل کرتی ہے، وہ سکندر کی مانند خضر کی محتاج نہیں۔ رفتار میں نمناک آنکھ کی نگاہ کی مانندنمی سے پاک، پانی ندی میں رہتے ہوئے بھی اس کا دامن تر نہیں۔ اس کا مضمون ایک ہی مصرعِ برجستہ میں مکمل ہو جاتا ہے، اسے دوسرے مصرع کا احسان اُٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی] (۴)

اردو میں اس کے لیے بجھارت، بھوّل، معمہ یا پہیلی کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں؛ البتہ بالعموم پہیلی مستعمل ہے۔ مولوی نجم الدین رامپوری کے مطابق، " پہیلی میں باعتبارِ علامات اور صفات اور خواص کے کوئی چیز دریافت ہوتی ہے "(۵) اور اردو لغت (تاریخی اصول پر) کی جلد چہارم میں پہیلی کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

[پہیلی] اس جملے یا کلام کو کہتے ہیں، جو ذومعنین ہو یا اس کے معانی کو الفاظ کی اوٹ میں قصداً اس غرض سے مخفی رکھا گیا ہو کہ مخاطب کی سوجھ بوجھ بآسانی نہ پا سکے۔ اس کی صورت استفہامیہ بھی ہو سکتی ہے۔ (۶)

شمیم احمد نے اس بات کو زیادہ واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایسے اشعار (یا ایک شعر)، جن میں کوئی معنوی پیچیدگی ہو، یعنی اشعار میں کچھ ایسے معنی یا ایسے خیال یا شے کا ذکر ہو، جو اُن کی بظاہر لفظی ترتیب سے فوری ذہن میں نہ آئے، لیکن لفظوں میں کچھ ایسے اشارے اور تلازمے موجود ہوں، جن پر غور کرنے سے معنی یا شے کی اصلیت واضح ہو جائے۔'' (۷)

اور ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے خیال میں:

''پہیلی میں کسی چیز کی کچھ علامات، صفات یا خواص مذکور ہوتے ہیں اور قاری یا سامع سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان اشارات کی مدد سے وہ چیز دریافت کرے۔'' (۸)

اردو پہیلی کی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ بات دلچسپ معلوم ہوتی ہے کہ اردو کی دیگر متعدد اصنافِ شعر و سخن کی طرح پہیلی کی اوّلیت کا سہرا بھی امیر خسرو (۱۲۵۳ء۔۱۳۲۵ء) کے سر ہے، البتہ امیر خسرو کے ہندوی (اردو) کلام کی نسبت ہمارے محققین بہت محتاط رہے ہیں، چنانچہ امیر سے منسوب بعض تخلیقات کو مشتبہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن محمد وحید مرزا (صدرِ شعبہ عربی وتہذیب وتمدنِ اسلامی، جامعہ لکھنؤ) کے خیال میں:

''جہاں تک پہیلوں وغیرہ کا تعلق ہے، یہ بات یقینی ہے کہ ان میں سے بعض تو واقعی امیر خسرو کی تصنیف ہوں گی اور بعض جعلی اور مصنوعی، اس لیے کہ پہیلی ایسی چیز ہے کہ جو عام مذاق سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ بہت سی پہیلیاں خسرو کے بعد بنتی رہیں، جنھیں خسرو کی طرف

منسوب کر دیا گیا، لیکن اس قسم کی نسبت بجائے خود اس کا ثبوت ہے کہ امیر خسرو نے کچھ پہیلیاں ضرور لکھی ہوں گی۔ اس کا مزید ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ چیستاں اور معمے کا خسرو کو خاص طور پر شوق تھا، چنانچہ ان کے مرتبہ فارسی دیوانوں میں بعض رباعیاں پہیلیوں کی قسم سے ہیں اور اکثر ناموں اور تاریخوں کو بھی انھوں نے معمے کی شکل میں لکھا ہے۔"(۹)

بالا تھا تو سب کو بھایا بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دِیا اُس کا ناتو ارتھ کرو نہیں چھاڈو گانو (۱۰)

درج بالا پہیلی کے دوسرے مصرعے کو شان الحق حقی نے ......اور بڑھے تو کام نہ آئے ......لکھا ہے اور شکوہ کیا ہے کہ بعض نقل کرنے والوں نے اِن نکتوں کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ "بڑھے" کی جگہ "بڑا" ہو" کبھی نہ لکھتے کہ بات بے معنی ہو جاتی ہے۔(۱۱) واضح رہے کہ مصرعِ اولیٰ کے لفظ "بالا" [جلانا] کا ایک معنی "بچہ" بھی ہے، جس سے لازم آتا ہے کہ مصرعِ ثانی میں لفظ "بڑا" آئے، جب کہ "بالا" کے مقابل "بڑھا" آنا امیر خسرو جیسے شاعر سے بعید ہے۔ دوسرے مصرعے میں "بڑا ہوا" سے بظاہر مراد بچے کا بڑا ہو جانا ہے، لیکن یہاں اس سے محاورتاً مراد بجھانا ہے۔ اس کی توثیق یوں ہوتی ہے کہ پنجاب میں چراغ کو بجھانے کی نسبت بدشگونی کے خدشے کے پیشِ نظر "بتی وڈی کرنا" کہا جاتا رہا ہے؛ چنانچہ اس طور قریبی معنی ہوں گے کہ "جب بچہ تھا تو سب کو اچھا لگا، لیکن بڑا ہونے پر کسی کے کام نہ آیا"، جب کہ حقیقی مفہوم یہ ہوگا کہ "جب جلایا تھا تو سب کو اچھا اور جب بجھایا تو کسی کے کام نہ آیا"۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خسرو سے ہندوی کلام منسوب ہونا ہی اکثر اوقات مشتبہ ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ ان کی شاعری میں پنجابی الفاظ کی موجودگی کا اعلان کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہیر فتح پوری کا درج ذیل بیان معاون ثابت ہوسکتا ہے:

پنجاب میں خسرو کا قیام پانچ سال (۱۲۸۰ء – ۱۲۸۵ء) تک رہا، چنانچہ پنجابی الفاظ کی تعداد ان کے کلام میں نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ ان کی وہ پنجابی تحریر ناپید ہوگئی، جس میں انھوں نے ملک غازی (غیاث الدین تغلق) اور خسرو خاں کی جنگ کے حالات لکھے تھے اور انھیں غیاث الدین کے دربار میں سنایا بھی تھا؛ تاہم یہ بات تو یقیناً کہی جاسکتی ہے کہ ہندی کے بعد انھوں نے ملکی زبانوں میں سب سے زیادہ اہمیت پنجابی کو دی تھی۔ (۱۲)

مزید برآں اس پہیلی کے آخری مصرعے میں "چھاڈو" بمعنی "چھوڑو" خالص پنجابی لفظ ہے، جو عہدِ حاضر میں "چھڈو" کے املا میں لکھا اور بولا جاتا ہے۔

آئینہ سے متعلق ایک پہیلی دیکھیے، جس میں تین زبانوں میں یہ نام دیا ہے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ سامع کو اندازہ نہیں ہو پاتا:

فارسی بولی ، آئی نہ ترکی ڈھونڈی ، پائی نہ
ہندی بولوں ، آرسی آئے خسرو کہہ ، نہ کوئی بتائے (۱۳)

اسی طرح جگنو کی بابت درج ذیل پہیلی کی لطافت محسوس کی جاسکتی ہے:

اپنے سے ایک پنچھی آئے ٹک دیکھے اور پھر چھپ جائے
بوجھ کے اُٹھیو ، قسم ہے تم پر آگ بنا اُجیارا دُم پر (۱۴)

اردو شعرا کی طرف سے پہیلی کی طرف عدم توجہی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے شان الحق حقی کا یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت امیر خسرو کے بعد پہیلیاں بھی کم لکھی گئیں، خصوصاً ایسی جو اُن کے قائم کیے ہوئے معیارِ لطافت کو پہنچتی ہوں۔ (۱۵) امیر خسرو کے بعد دکن و ہندوستان میں کسی شاعر کے ہاں اس صنف کا کوئی نمونہ نہیں ملتا، حالانکہ معاشرتی سطح پر اس سے انحراف کی کوئی وجہ نہ تھی، جب کہ صدیوں سے تہذیبی رَو مسلسل ایک ہی سمت میں چل رہی تھی۔ مولوی عبدالحق اور محی الدین قادری زور کی کاوشوں سے دکن میں صوفیہ کے متعدد اقوال، ملفوظات اور دیگر تحریریں منظرِ عام پر آ گئی ہیں، لیکن قلی قطب شاہ، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، سراج الدین علی خاں آرزو، شاہ حاتم، شاہ مبارک آبرو اور مظہر جانِ جاناں تک پہیلی کا کوئی اتا پتا نہیں؛ تاوقتیکہ مرزا رفیع سودا نے اس صنف کو قابلِ التفات جانا۔

مرزا محمد رفیع سودا (۱۷۰۶ء–۱۷۸۱ء) کا شمار اردو غزل کے ساتھ ساتھ اردو قصیدے کے صفِ اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے، بلکہ قصیدہ نگاری کی صنف تو بالعموم اُنھیں کے نام سے منسوب ہو کر رہ گئی ہے، البتہ شیخ چاند نے ان کے ہاں ۱۰۹ پہیلیوں کی اطلاع دی ہے، ان کا کہنا ہے:

> اکثر ٹھیٹھ ہندی زبان میں ہیں، اُن میں عربی فارسی الفاظ کی مطلق آمیزش نہیں۔ بعض پہیلیوں میں کہیں کہیں عربی فارسی کے الفاظ آ جاتے ہیں، لیکن وہ ایسے عام ہیں کہ ہندی میں بے جوڑ معلوم ہوتے اور نہ پڑھنے والا ان کو محسوس کرتا ہے۔ یہ پہیلیاں نہ صرف دلچسپی و تفریح کا سامان ہیں، بلکہ اُن سے سودا کی طباعی کا بھی ثبوت ملتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہندی زبان اور اسلوبِ بیان پر کس درجہ قدرت حاصل تھی۔ (۱۶)

شیخ چاند نے سودا کے کلام میں بندوق، سپر، تیر و کمان، چاقو، قندیل، شمع، گل گیر، مقراض، پلنگ، بانسری، ستار، طنبورہ، نقارہ، آئینہ، عینک، قبلہ نُما، بادکش، مہر چھاپ اور نگین وغیرہ کی نشاندہی کی ہے، (۱۷) جن سے اُس عہد کی تہذیب و تمدن اور معاشرت و ثقافت کی عکاسی ہوتی ہے اور بعض مقامات پر ان کی تاریخی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ یہاں خط سے متعلق سودا کی ایک پہیلی دیکھیے:

ایک نار سب ناری میں پیاری آدھی گوری ، آدھی کالی
دیکھو وا کا اُلٹا طور گونگی آپ ، بکاویا اور (۱۸)

اور چارپائی کی بابت ایک پہیلی:

سونے کی وہ نار کہاوے بنا کسوٹی بان دکھاوے (۱۹)

انشاءاللہ خاں انشا (۱۷۵۲ء–۱۸۱۷ء) کا شمار دبستانِ لکھنؤ کے صفِ اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے۔ شاعری، نثر، طنز و مزاح، معرکہ آرائی میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ پھر شعر میں بھی انھیں فنی اعتبار سے کئی امتیازات حاصل ہیں۔ ان کے ہاں پہیلی (آہ) کی صورت دیکھیے:

ہے نصف تو اسمِ ذات کی سی صورت　　دن کی صورت نہ رات کی سی صورت
کام آوے وہ درد میں، جو لکھیے انشا　　تو ہو قلم و دوات کی سی صورت (۲۰)

سعادت یار خاں رنگین (۱۷۵۷ء–۱۸۳۵ء) دبستانِ لکھنؤ کے نمائندہ اردو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اردو کی بدنام صنفِ سخن ریختی اور رنگین کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر صابر علی خاں کے مطابق، سعادت یار خاں رنگین کے مجموعہ رنگین میں ورق ۳۲ الف سے ۳۴ الف تک انتیس پہیلیاں ہیں، (۲۱) جن میں سے ایک پیش کی جاتی ہے:

شیرازی ہیں کالے دو کبوتر　　گاہے وہ خشک ہوں، کبوتر
یوں تو فلک تلک ہیں جاتے　　پر گھر سے نہیں نکلنے پاتے (۲۲)

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵ء–۱۸۶۲ء) کی بنیادی پہچان اردو غزل ہے، لیکن انھوں نے دیگر متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی، جن میں پہیلی (آسمان) بھی شامل ہے۔

ایک تھال موتیوں سے بھرا　　سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں طرف وہ تھال پھرے　　موتی اس سے ایک نہ گرے (۲۳)

حکیم مومن خاں مومن (۱۸۰۰ء–۱۸۵۲ء) دلّی کے دبستانِ شاعری کے اُن شعرا میں شمار ہوتے ہیں، جن کی عظمتِ شعر کو غالب جیسا نابغہ بھی تسلیم کرتا رہا ہے۔ بالعموم ان کی شناخت غزل گوئی اور اس میں معنی آفرینی کی وجہ سے ہے، لیکن ان کے ہاں رباعیات، قصیدے اور مثنویاں بھی ملتی ہیں؛ ساتھ ہی ساتھ اُن کے کلیات میں چھ معمے پہیلیاں بھی شامل ہیں، جن میں سے درج ذیل صرف ایک ایسی ہے، جسے پہیلی کے قریب سمجھا جا سکتا ہے:

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا　　ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا (۲۴)

(ہم، بات اور یار کے الفاظ کے حروف اُلٹ دیں تو مہ + تاب + رائے بن جاتا ہے، جو اس پہیلی کا جواب ہے، یعنی =مہتاب رائے)

مولانا آزاد نے آبِ حیات میں ان کی ایک پہیلی (گھڑیال) درج کی ہے:

نہ بولے وہ، جب تک کہ کوئی بلائے　　نہ لفظ اور معنی سمجھ میں کچھ آئے
نہیں چور، پر وہ لٹکتا رہے　　زمانے کا احوال بکتا رہے
شب و روز غوغا مچایا کرے　　اسی طرح سے مار کھایا کرے (۲۵)

منیر شکوہ آبادی (۱۸۱۴ء–۱۸۸۰ء) کا نام حبسیہ شاعری میں بہت نمایاں ہے اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے متعلق ان کی شاعری انفرادیت کی حامل ہے۔ ان کے ہاں بھی ایک پہیلی (افیون) ملتی ہے:

مکروہ طبعِ اہلِ خرد اس کی کم سِنی　　پیری میں اس کی قدر جوانی سے بھی سِوا
ہے بے گناہ، پر یہ تعجب کی بات ہے　　اُس کا ہی پوست کھینچتے ہیں اُس کے آشنا (۲۶)

مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۲۷ء–۱۹۱۰ء)، منشی ذکاءاللہ (پروفیسر زبان ہائے مشرقی) کی فرمائش پر نظمِ معریٰ کی ہیئت میں "جغرافیہ طبعی کی پہیلی" تحریر کی، جو مروّجہ معنوں میں تو پہیلی نہیں، لیکن چونکہ اس میں بجھارتوں کی متنوع صورتیں

ہیں، اس لیے اس کا اوّلین جزو اور آخری چند مصارع پیش کیے جاتے ہیں:

ہنگامہ ہستی کو
گر غور سے دیکھو تم
ہر خشک وترِ عالم
صنعت کے تلاطم ہیں
جو خاک کا ذرّہ ہے
یا پانی کا قطرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے
جس پر قلم قدرت
انداز سے ہے جاری
اور کرتا ہے گُل کاری
اِک رنگ کہ آتا ہے
سَو رنگ دِکھاتا ہے (۲۷)

اور آخری بند:

کیوں قبلہ من! دیکھا
یہ طُرفہ معما ہے
کیا بوجھے کوئی پنڈت
یا فلسفی و مُلاّ
ہاں، سمجھیں میاں آزاد
یا منشی ذکاءاللہ
سنبل ہے یہ سبزہ میں
پھولوں میں چنبیلی ہے
کون اس کو بھلا بوجھے
حکمت کی پہیلی ہے (۲۸)

تجمل رسول خاں تجمل کے ہاں سے ایک پہیلی (چشم و مژگاں) دیکھیے:

دو تالاب اور کتنی تریاں — جب دیکھو، جب ننگی کھڑیاں
تال کے اوپر دن بھر مٹکیں — نظروں میں وہ سب کی کھٹکیں
رات کو وہ سب مل جل کر — سوتی ہیں اُن تالابوں پر (۲۹)

کسی گمنام شاعر کی ایک پہیلی (مونڈھا) ملاحظہ کیجیے:

سر جالی، پیٹ سے خالی پسلی ایک سے ایک نرالی
مجھ کو آوے یہی پرکھ پیر نہ گردن مونڈھا ایک

اس پہیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے رشید حسن خاں نے لکھا ہے کہ "لفظ مونڈھا ایسے ڈھب سے آیا ہے کہ فوری طور پر ذہن اُس کی طرف مشکل ہی سے منتقل ہوتا ہے۔ پیٹ، پسلی، پیر، گردن، یہ چاروں ٹکڑے اسے بھی ایک عضوِ بدن کے طور پر اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔(۳۰)

صوفی تبسم (۱۸۹۹ء–۱۹۷۸ء) اردو، فارسی اور پنجابی زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ غزلوں کے علاوہ ان کے جنگی ترانے بھی بہت مقبول ہوئے؛ علاوہ ازیں ٹوٹ بٹوٹ اور جھولنے کے نام سے بچوں کے لیے ان کی نظموں کے مجموعے بھی ان کی شناخت قرار دیے جاتے ہیں۔ ٹوٹ بٹوٹ میں ان کی متعدد پہیلیاں شامل ہیں، جن میں سے دو پہیلیاں (حقہ اور پتنگ) درج ذیل ہیں:

دُبلی پتلی سی اِک رانی اوپر آگ اور نیچے پانی
منھ چومو تو شور مچائے بات کرو تو چُپ ہو جائے (۳۱)

نازک نازک سی اِک گڑیا لوگ کہیں سب اس کو اُڑیا
کاغذ کے سب کپڑے پہنے دھاگے کے سب زیور گہنے
سیدھی جائے ، مُڑتی جائے پری نہیں ، پر اُڑتی جائے (۳۲)

شان الحق حقی (۱۹۱۷ء – ۲۰۰۵ء) نے نذرِ خسرو کے نام سے ۲۴ کہہ مکرنیوں اور ۱۰۱ پہیلیوں پر مشتمل ایک مجموعہ دیا ہے۔ انھوں نے اس میدان میں ڈرتے ڈرتے قدم رکھا ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ''یہ جرأت (خاکم بدہن) صرف منہ چڑانا بن کر نہ رہ جائے''۔ ان کے خیال میں اس کی ایک وجہ ''قدیم نمونوں سے رشتہ جوڑنا اور رنگ سے رنگ ملانا ضروری تھا، دوسری طرف کچھ جدید فضا بھی در آئی ہے''،(۳۳) تاہم ان کی کہی ہوئی پہیلیوں میں کلاسیکیت بھی قائم رہی اور پہیلیوں کی فضا بھی۔ ''ہار'' سے متعلق ایک پہیلی دیکھیے:

کتنوں ہی کی گردن مار رکھ دیا لا کر بیچ بازار
کرتے ہوئے کیا رُوپ سنگھار بوجھو ، نہیں تو مانو ہار (۳۴)

"آئینے" کی بابت ایک پہیلی:

چِکنے چِکنے سب کو گھورے عیب گنا دے سب کے پورے
جس تس سے روز آنکھ لڑائے شرم تو اس کو آئی نہ آئے (۳۵)

اسی طرح "کپ" کی پہیلی ملاحظہ کیجیے:

پکڑے اس کا ایک ہی کان اس کے لب چومیں انسان (۳۶)

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اردو زبان میں پہیلی کی ابتدا قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، قطعہ جیسی اصنافِ سخن کے برعکس خالص علاقائی اثرات کے تحت ہوئی اور دُور تک انھی کے سایے میں پروان چڑھی اور پھر اس پر ہند مسلم تہذیب کا رنگ چڑھتا گیا؛ البتہ سیاسی و تہذیبی تغیرات نے جہاں اَور متعدد اصناف کو قصہ پارینہ بنا دیا، پہیلی بھی وقت کی گرد میں دب کر رہ گئی؛ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پہیلی اگر صفِ اوّل کے شعرا کی نگاہِ التفات سے محروم ہوئی تو بچوں کے ادب میں اس نے اپنی جگہ بنالی اور قیامِ پاکستان کے بعد سے تو بچوں کے رسائل و جرائد میں اس صنف کے لیے صفحات مختص کیے جاتے رہے۔ اس عرصے میں شان الحق حقی نے ماضی کو آواز دی اور امیر خسرو کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے پہیلیوں پر مشتمل ایک مجموعہ شائع کیا؛ لیکن چونکہ عہدِ حاضر میں بچوں کی ذہنی تربیت کے بیسیوں دل کش اور جاذبِ نظر مواقع پیدا ہو گئے ہیں، لہٰذا امکان کم ہی نظر آتا ہے کہ باقاعدہ سنجیدہ صنفِ سخن کی حیثیت سے پہیلی کا پھر سے احیا ہو سکے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، (لاہور: مکتبہ زید بن ثابت، س ن)، ص ۸۲۷

۲۔ محمد قاسم سروری: مجمع الفرس، (تہران: کتاب فروشی علی اکبر علمی، ۱۳۳۸ء)، ص ۴۰۰

۳۔ علامہ اقبال، پیامِ مشرق، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ص ۱۳۵

۴۔ میاں عبدالرشید، سلیس اردو ترجمہ کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۶۶۱

۵۔ نجم الغنی رام پوری، بحر الفصاحت (حصہ ششم و ہفتم)، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء)، مرتبہ سید قدرت نقوی، ص ۹۹۴

۶۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، چہارم، (کراچی: اردو لغت بورڈ)، ص ۳۹۹

۷۔ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۸۳

۸۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی: اصنافِ ادب، (لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۴۵

۹۔ محمد وحید مرزا، امیر خسرو، (الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی اتر پردیش، ۱۹۴۹ء)، ص ۳۲۷

۱۰۔ امیر خسرو، کلیاتِ ہندوی امیر خسرو، (نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، ۲۰۱۷ء)، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، ص ۳۳

۱۱۔ شان الحق حقی، نذرِ خسرو، (نئی دہلی: سیمانت پرکاش، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۸

۱۲۔ ظہیر فتح پوری: جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقا میں خسرو کا کردار، مشمولہ: امیر خسرو: تنقیدی مضامین، (اسلام آباد: وفاقی وزارتِ تعلیم، س ن)، مرتبہ: فیض احمد فیض نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریباتِ امیر خسرو، ص ۱۳۳

۱۳۔ امیر خسرو، کلیاتِ ہندوی امیر خسرو، ص ۳۲

۱۴۔ گوپی چند نارنگ، امیر خسرو کا ہندوی کلام، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، مرتبہ، ص ۱۵۰

۱۵۔ شان الحق حقی، نذرِ خسرو، ص ۱۷

۱۶۔ شیخ چاند، سوداؔ، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۳ء)، ص ۱۰۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۲۳

۱۸۔ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۱۸۳

۱۹۔ شیخ چاند، سوداؔ، ص ۳۲۱

۲۰۔ انشاء اللہ خاں انشاء، کلیاتِ انشاء اللہ خاں انشا، (لکھنؤ: مطبع نامی منشی نول کشور، س ن)، ص ۴۱۶

۲۱۔ صابر علی خاں، سعادت یار خاں رنگین، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۶ء)، ص ۴۳۶۔۴۳۸

۲۲۔ بحوالہ: ابوالاعجاز حفیظ صدیقی: اصنافِ ادب، (لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۴۵

۲۳۔ بہادر شاہ ظفر، بحوالہ: بحر الفصاحت (حصہ ششم و ہفتم)، ص ۱۵۳

۲۴۔ مومن خان مومنؔ، کلیاتِ مومن، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء)، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، ص ۳۳۳

۲۵۔ بحوالہ: محمد حسین آزاد، آبِ حیات، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۳۴۹

۲۶۔ منیر شکوہ آبادی، بحوالہ: بحر الفصاحت (حصہ ششم و ہفتم)، ص ۱۵۲،

نیز: پہیلی نامہ اردو، مرتبہ: نجم الغنی رام پوری، (نظام الدین پرنٹر، ۱۹۱۱ء)، ص ۱۰۳

۲۷۔ محمد حسین آزاد، نظمِ آزاد، (لاہور: نول کشور، ۱۹۱۰ء)، ص ۱۰۵

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۲۹۔ تجمل رسول خاں تجمل، بحوالہ: بحر الفصاحت (حصہ ششم و ہفتم)، ص ۱۵۳

۳۰۔ رشید حسن خاں، تفہیم، ص ۹۳

۳۱۔ صوفی غلام مصطفی تبسم، جھولنے، (کراچی: کتاب پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۱۳ء)، ص ۸۱

۳۲۔ ایضاً، ص ۸۷

۳۳۔ شان الحق حقی، نذرِ خسرو، ص ۱۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۵۷

۳۵۔ ایضاً، ص ۶۱

۳۶۔ ایضاً، ص ۶۹